حالاتِ حاضرہ

چین کا بے روح معاشرہ

مادیت کے سیلاب اور اخلاقی بحران کی زد میں

مسلم سجاد

۱۴ فروری ۱۹۹۵ کو' چین میں پیدا ہونے والے ایک بچے کو' جو اس دن پیدا ہونے والے ۵۷ ہزار ۵ سو بچوں میں سے ایک تھا' ملک کا ایک ارب ۲۰ کروڑ ایک نمبر کا شہری قرار دیا گیا۔ ہمارے بالکل پڑوس میں ہماری آنکھوں کے سامنے 'انسانوں کا یہ سمندر' دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ 'گزشتہ چالیس سال میں 'تاریخی تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ اور آج پھر تبدیلی کے عمل سے دوچار ہے۔ ۲ ہزار سال تک چینی معاشرہ کو اساس فراہم کرنے والی کنفیوشس کی تعلیمات کو مارکسزم نے زیر و زبر کر دیا۔ ماؤ کی قیادت میں ۵۰ کے عشرے میں سوشلسٹ معاشرہ تشکیل دیا گیا۔ کمیون قائم کیے گئے۔ پروپیگنڈہ کے طوفان اٹھاکر 'کروڑوں انسانوں کی زندگی کو ایک رخ دے دیا گیا۔ جبر اور ظلم و ستم کے ذریعے کمیونسٹ پارٹی کا اقتدار قائم و دائم ہوا۔ ۱۹۶۶-۱۹۷۶ میں معاشرہ کو ثقافتی انقلاب سے گزارا گیا۔ ریڈ گارڈز نے خوب لوٹ مار کی۔ وہ وقت تھا کہ ماؤ کا جادو سر پر چڑھ کر بولتا تھا۔ پھر نئی قیادت آئی۔ ڈینگ ژیاؤپنگ نے اقتدار کلی حاصل کر کے 'معاشی اصلاحات کیں' آزاد معیشت کے رواج نے معاشرہ کے ایک طبقہ خصوصاً پارٹی عہدیداروں کو دولت مند بنایا۔

اب ایک منظر اقتدار کی رسہ کشی کا ہے۔ ڈینگ زندگی کے آخری مراحل میں ہیں۔ ۸۰' ۹۰ سالہ بوڑھی قیادت کے مقابلے میں ۷۰' ۸۰ سالہ 'جوان قیادت' کو آگے آنا ہے۔ موجودہ صدر چیانگ زیمن نے گزشتہ سال فوج میں ۱۹ افسروں کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر اپنی پوزیشن مضبوط کی ہے۔ حال ہی میں ڈینگ کے ایک دوست بڑے سرمایہ دار کے خلاف کرپشن کے الزام میں کارروائی کر کے بھی دنیا کو کچھ بتایا گیا ہے۔ دوسرے امیدوار بھی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مغربی ممالک کے ماہرین اور

تجزیہ نگار بھی اندازے لگا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک بہت بڑی مارکیٹ ہونے کے علاوہ چین کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ مسلم ممالک کے ساتھ مل کر، ان کی تہذیبی غلبہ کے لیے حقیقی خطرہ بن سکتا ہے۔

دوسرا منظر چینی معاشرہ کا ہے۔ ڈینگ کے دَور میں آنے والی تبدیلیوں نے زندگی کو ہر سطح پر متاثر کیا ہے۔ آزاد معیشت اور چھوٹی زمینداری نے بہت سے رستے کھولے۔ مغربی سرمایہ کاروں کی للچائی ہوئی نظریں بھی پڑنے لگیں۔ کوکا کولا کے مشروب اور میکڈانلڈ کے برگر چینیوں تک بھی پہنچے۔ بڑی بڑی کمپنیوں نے معاہدے کیے۔ ۱۹۹۰ میں ۳ء۴ بلین ڈالر کی بلاواسطہ بیرونی سرمایہ کاری ۱۹۹۴ میں ۳ء۳۰ بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ کچھ مستقبل بین افراد کی نظر میں جس طرح ۱۹ویں صدی امریکی معیشت کے عروج کی صدی تھی، اسی طرح ۲۱ویں صدی چینی معیشت کی صدی ہونے کے امکانات ہیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں جمہوری رجحانات بھی در آئے اور پارٹی آمریت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک کوشش ۱۹۸۹ میں تنامن اسکوائر میں انتہائی سنگدلی سے کچل دی گئی۔

گزشتہ سال وانگ شان کی کتاب Viewing China Through a Third Eye میں چینی قیادت کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس پر پابندی لگ گئی۔ پھر بھی خوب پڑھی گئی۔ اب اس ہی نے Viewing China Through a Fourth Eye لکھی ہے۔ جس میں اس نے بتایا ہے کہ ڈینگ کے بعد بھی برسرِاقتدار رہنے کے لیے پارٹی کو کیا کچھ کرنا چاہیے۔ ۱۵ سال کی معاشی ترقی نے نئے طبقات پیدا کر دیے ہیں۔ سب کے اپنے مفادات ہیں لیکن سب کے لیے پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا ایک ہی فورم ہے۔ یہی چینی جمہوریت ہے۔ یہاں دوسری پارٹیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ عوام افراط زر اور جرائم اور کرپشن سے عاجز ہیں۔ کسی وقت بھی دوسرا تنامن سکوائر ہو سکتا ہے۔ پارٹی کو اس کی فکر کرنا چاہیے۔ مصنف کا خیال ہے کہ مارکسزم لینزم اور ماؤازم چینی قومیت سے 'عوام کی آمریت نسبتاً قانون پسند معاشرے سے' اور سوشلزم 'کچھ لوگ دولت کمالیں پھر عوام کو خوشحال کریں' کے تصور سے تبدیل ہو جائے گا۔ لیکن پارٹی کی قیادت کے تحفظ کا اصل الاصول اسی طرح رہے گا۔

اخلاقی بحران

چینی معاشرہ، اب الگ تھلگ معاشرہ نہیں ہے، مستقبل کی دنیا میں اس کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ اس لیے بجا طور پر مشاہدہ اور غور و فکر کا موضوع ہے۔ ایشیا ویک (۱۷ فروری) نے سرورق کی کہانی China's Crisis of Morals پر دی ہے۔ اس نے یہ سات گناہ کبیرہ (deadly sins) گنوائے ہیں (۱۔ کرپشن ۲۔ زناکاری ۳۔ جوا ۴۔ منشیات ۵۔ خود غرضی ۶۔ بزرگوں کا عدم احترام ۷۔ عوام کی بے حسی اور بداعتمادی) جنھوں نے چین کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ایک وقت تھا کہ چینی معاشرہ کی اخلاقی صفات کے گن گائے جاتے تھے (حال ہی میں ماؤ کے ذاتی معالج نے ایک کتاب میں ماؤ کی جنسی زندگی کے بارے میں ناقابل اشاعت مستند معلومات فراہم کی ہیں)۔ لیکن اب تو پورا معاشرہ اخلاقی بحران کی زد میں ہے۔ اصلاحات نے آزادی تو دی لیکن کوئی اخلاقی لنگر نہ تھا اس لیے جسے جو موقع ملا اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سب سے زیادہ مورد الزام تو پارٹی کے عہدیدار ہیں جنھوں نے خوب مال بنایا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق افسران کی سیر و تفریح پر ۹ بلین ڈالر خرچ ہو جاتے ہیں جو کل تعلیمی بجٹ کا دگنا ہے۔ کرپشن رگ رگ میں داخل ہو گیا ہے اور اسے مٹانے کی سب تدبیریں الٹ جاتی ہیں۔

جرائم میں اضافہ کی رفتار غیر معمولی ہے۔ نشہ کے عادی افراد کی تعداد گزشتہ ۴ سال میں ۷۰ ہزار سے بڑھ کر ڈھائی لاکھ ہو گئی ہے۔ ایڈز میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ طوائفیں اپنا کاروبار چلا رہی ہیں۔ ہانگ کانگ کے قریب شہر شن زین کو ایک بیرونی فلم پروڈیوسر نے ۱۹۲۰ کے شنگھائی کے مثل قرار دیا جو اخلاق باختگی میں ضرب المثل تھا۔ کسی بھی خوشحال صوبہ میں (گوان ڈانگ، شی مانگ) شاہراہوں پر درجنوں ہوٹلوں اور ہیر ڈریسر سیلونوں پر لڑکیاں دعوت گناہ دیتی دیکھی جا سکتی ہیں۔ صوبہ شان ڈانگ کے صدر مقام جنان سے کنفیوشس کی جائے پیدائش کو نو تک ۱۲۰ کلو میٹر فاصلہ کے دونوں طرف اسی طرح کے ہوٹل پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ ۳ ماہ میں بیجنگ میں ۲۰۲ ہزار گنجایش کے تین نائٹ کلب کھل گئے ہیں جہاں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو کسی مغربی نائٹ کلب میں ہوتا ہے۔ شاید ماؤ کے پیش نظر یہ ثقافتی انقلاب نہ تھا۔

آبادی میں اضافہ

چین کا ایک مسئلہ اضافہ آبادی کا بنا دیا گیا ہے، جس نے چینی عوام کی زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے۔ یہ تسلیم شدہ ہے کہ اگر حکومتیں پہنچانے کے انتظامات کر سکیں تو دنیا کے کاشتکار موجودہ آبادی سے دگنی کے لیے بھی غذا فراہم کر سکتے ہیں۔ چین تو خود اس کی مثال ہے کہ دنیا کے ۷ فی صد قابل زراعت رقبہ پر کاشت سے دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ کو غذا فراہم کرتا ہے لیکن انتہائی سختی کے ساتھ، جس کا چینی معاشرہ میں تصور کیا جا سکتا ہے، ایک خاندان کے لیے صرف ایک بچے کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسرا پیدا کرنا جرم ہے اور اس پر جرمانہ اور سزائیں ہیں۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ کسی ماں کو ساری تدابیر کے باوجود دوسرا حمل ٹھہر جائے تو اسے لازماً جبراً اسقاط کروانا ہوتا ہے۔ دیہی علاقوں میں تو کچھ بچاؤ ہو جاتا ہے لیکن شہروں میں ممکن نہیں ہوتا ہے۔ گزشتہ برس ایک مصنفہ نے ایک دائی کے بیان کردہ واقعات پر مبنی ایک کتاب شائع کی ہے جس میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات ہیں۔

مائیں اپنے بچوں کو بچانا چاہتی ہیں اور حکومت اور پارٹی کے کارندے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں یا سزا سے بچنے کے لیے وہ انتہائی مخدوش حالات میں اسقاط کرواتی ہیں اور جان سے بھی گزر جاتی ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب ایک ہی کی اجازت ہے تو ہر خاندان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ لڑکا ہو۔ اب سونوگرام کے ذریعے یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی، اس لیے لڑکے کے انتظار میں لڑکیوں کا اسقاط کروایا جاتا ہے اور پیدا ہو جائیں تو قتل بھی کی جاتی ہیں۔ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، اِکاّ دکاّ واقعات نہیں ہیں۔

'منصوبہ بندی' کے اس پہلو کا اظہار بھارت اور کوریا میں بھی ہو رہا ہے۔ ایشیا ویک (۳ مارچ) نے ایک تصویر (ص ۳۶) شائع کی ہے: 'راجھستان میں ننھی بچیوں کی قبریں جو اس کا ثبوت ہیں کہ زیادہ لڑکے حاصل کرنے کے لیے لڑکیاں قتل کی جاتی ہیں، لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد میں فطری تناسب، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت قائم رہتا ہے، اس مداخلت سے بگڑ گیا ہے۔ ایشیا ویک نے سرورق کی کہانی اس پر دی ہے کہ سب دلہنیں کہاں ہیں؟ فار ایسٹرن ریویو نے ایک کارٹون دیا کہ دولہا میاں آخری دلہن لیے خوش خوش جا رہے ہیں اور سینکڑوں چھڑے منہ لٹکائے کھڑے ہیں۔ اغوا اور عصمت دری میں اضافہ کی پیش گوئی بھی کی جا رہی ہے۔ چین میں حکومت اور پارٹی کی گرفت نہایت سخت ہے۔ اعلان شدہ پالیسی پر عمل کو ہمیں اپنے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں اس ہدایت نے ہر گھرانے کو جہنم بنا دیا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی

کمیونسٹ پارٹی کو بھی مستقبل کی فکر ہے۔ اس کے ۵۵ لاکھ ارکان ہیں۔ ملک پر پارٹی کی گرفت پہلے کے مقابلے میں کمزور ہے۔ جب ۱۹۷۹ میں ڈینگ نے معاشی اصلاحات کے ایک جزو کی حیثیت سے کمیون نظام ختم کیا تو اس نے عوام اور پارٹی کے درمیان ایک موثر رابطہ بھی ختم کر دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۹۳ تک دیہی علاقے کی ۶۰ فی صد شاخیں غیر فعال ہو گئی تھیں۔ اصلاحات کے بعد ملازمت اور آمدن کے آزاد ذرائع تک عوام کی پہنچ ہو گئی اور پارٹی کی اہمیت کم ہو گئی۔ اکتوبر ۹۴ میں پارٹی نے ایک چار روزہ اعلیٰ سطحی اجلاس میں آنے والے حالات کی پیش بندی کے لیے تدابیر پر غور کیا۔ طے کیا کہ اگلے تین سال میں ۶۴ ہزار غیر فعال شاخوں کو فعال بنایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل منتخب نوجوانوں کو تیار کر کے سامنے لایا جائے جو آیندہ صدی میں کمیونسٹوں کی قیادت کر سکیں۔ ۶۵ سال سے زائد عمر کے قائدین کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

حکومت کی حکمتِ عملی

ماضی میں چین کی حکومت معاشرہ کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے بڑی بڑی پروپیگنڈہ مہمیں چلاتی تھی لیکن اب ان کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے امکانات کم ہو گئے ہیں۔ اب حکومت غیر اخلاقی اور مجرمانہ رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لیے کیمونسٹ اخلاقیات کا سہارا نہیں لیتی بلکہ روایتی چینی اقدار' جذبۂ حُبّ ِ وطن حتیٰ کہ مذہب سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ قوم کو اخلاقی اساس فراہم کرنے کے لیے کنفیوشس کی تعلیمات کو بھی آگے لایا جا رہا ہے۔ پارٹی بدھ مت اور عیسائیت کے اجتماعی کردار کو تسلیم کرتی ہے (اسلام کا تو طُرّۂ امتیاز ہی یہ ہے) لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی تبلیغ سے مارکسی الحاد کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل زور جذبۂ حبِ وطن پر ہے۔ اسکولوں کی درسی کتب اس طرح لکھوائی جا رہی ہیں کہ قومی ہیروز کا ذکر انھیں کتاب سے ملے۔ جذبہ حبِ وطن بھی پرورش پائے اور اخلاقی نمونہ بھی سامنے آئے۔ اتنے بڑے ملک میں' اتنے پھیلے ہوئے معاشرے کے مختلف حصوں میں اساتذہ اپنے طور پر بھی تربیت کی متنوع تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

مذہبی رجحان میں اضافہ

لیکن اس کے باوجود' زندگیوں میں ایک خلا ہے۔ انسان کی فطرت کی طرف پکار کا جواب مذہب ہی دے سکتا ہے۔ مذہب کو افیون قرار دے کر' اور اس سے بے تعلق کر کے چین کے قائدین نے اپنے عوام کو بہت دکھ میں ڈالا ہے۔ ۱۹۷۰ کے بعد کی نرم پالیسی سے مذہب کی طرف رجوع کے رجحانات میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک سروے کے مطابق ۲۸ فی صد چینی زندگی میں مذہب کی اہمیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ سوشلسٹ حکومت کی ۴۰ سال کی مسلسل مذہب دشمن کوششوں کے باوجود ہے۔

بدھ مندر گوانجی کے باہر سڑکوں پر ایسی گہما گہمی ہوتی ہے جیسے بیجنگ کی کوئی مرکزی شاہراہ ہو۔ صرف بیجنگ میں ۱۰۰ مندر بحال ہو گئے ہیں اور دیگر ۴۰۰ بدھ انجمنوں کے حوالے کر دیے گئے ہیں۔ عیسائی آبادی ایک کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ایک پادری کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۵ میں ۸۰ فی صد بوڑھے گرجا آتے تھے' اب ۸۰ فی صد نوجوان آتے ہیں' عام آدمیوں کے ساتھ ساتھ دانشور بھی مذہب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ مقامی مذہب DAOISM بھی قبولیت حاصل کر رہا ہے۔ بدھ مت' عیسائیت' اسلام سب غیر ملکی مذہب سمجھے جاتے ہیں۔ ہر ایک کو چین کے خصوصی حالات کا لحاظ رکھنا ہو گا۔ مقامی عیسائی غیر ملکی عیسائی مبلغوں کی آمد کو ناپسند کرتے ہیں۔ ایک رائے کے مطابق مذہب چین میں غالب آ سکتا ہے' لیکن آہستہ آہستہ اور چینی خصوصیات کے ساتھ۔

ہماری ذمہ داری

آیندہ صدی کس کی ہوگی --- کس تہذیب کو غلبہ حاصل ہو گا۔ بحث جاری ہے اور میدان میں کشمکش بھی۔ آنے والی صدی دستک دے رہی ہے جو تیسرے ہزار سال کا نقطہ آغاز ہو گا۔ مغربی تہذیب کے علمبردار اسلامی احیا کے امکانات سے خوف زدہ ہیں اور اسے دبانے کے لیے ہر تدبیر اختیار کر رہے ہیں۔ اس میں انھیں اپنے اصول، اپنی اقدار، کسی کا لحاظ نہیں ہے۔ دنیا کے نقشہ پر، جہاں بھی آگ سلگ رہی ہے، مسلمان ہی اس کا ایندھن ہیں۔

ان حالات میں، احیائے اسلام کے علم برداروں کو انسانیت کے پانچویں حصے کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جہاں ایک ارب ۲کروڑ انسان راہ حق کے متلاشی ہیں۔ مغرب کے کاروباریوں کے منہ میں تو اتنی بڑی مارکیٹ دیکھ کر نفع کے لالچ سے پانی آرہا ہے، اسلام کے علم برداروں کے منہ میں دعوت کے اتنے امکانات دیکھ کر آئے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چین کے مسلمان بھی ذریعہ بن سکتے ہیں اور یقیناً وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہوں گے لیکن آج کے دور میں پیغام پہنچانے کے لیے ذاتی رابطہ ناگزیر نہیں ہے۔ آخر مغرب کا پیغام ہمارے گھروں میں براہ راست پہنچ رہا ہے۔ نئی صدی میں ابلاغی ٹکنالوجی معلوم نہیں کیا چھلانگیں لگانے والی ہے۔ احیائے اسلام کے علم برداروں کو چین کے عام آدمی اور قائدین تک اسلام کا بے آمیز، حقیقی، دلوں میں گھر کرنے والا پیغام پہنچانے کی تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔ ان کے خالق کا بتایا ہوا راستہ ان کے سامنے تو لایا جائے۔ یقیناً اب اللہ تعالیٰ اپنا کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ یہ فریضہ امتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی ہے کہ ان تک وہ لائحہ عمل پہنچائے جو ان کے مسائل کو حل کر دے، انھیں پریشانیوں سے نجات دے اور ان کے مردوں اور عورتوں کی زندگیوں کو سکون سے بھر دے۔ دوست اور پڑوسی ہونے کے ناطے ہماری ذمہ داری زیادہ ہے۔

نوٹ: چین کے بشمول تائیوان ۳۱ صوبے ہیں۔ تین شہروں بیجنگ، شنگھائی اور تیان جن کو صوبائی درجہ حاصل ہے۔ پانچ خود مختار علاقے ہیں (تبت، منگولیا، زن زیانگ، گوآنگ زی، ننگ زیا)۔ ہانگ کانگ ۱۹۹۷ میں، اور مکاؤ ۱۹۹۹ میں خصوصی انتظامی علاقے کی حیثیت سے شامل ہوں گے۔ صوبے کاونٹی میں تقسیم ہیں۔ سب سے زیادہ آبادی والا صوبہ سیچوان ۱۱کروڑ، ہنان ۹کروڑ، سن زنگ ۸۱/۲ کروڑ، چیانگ سو ۷ کروڑ، گوآن ڈانگ ۶۱/۲ کروڑ)

حوالہ:

1- Newsweek, Jan 23, Feb 20, March 6, 1995

2- Asiaweek, Feb 17, March 3, 1995

3- Time, Nov 7, 1994